امامِ بغوی اور ان کی فقہی خدمات

ڈاکٹر سیّد ازکیا ہاشمی، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج مانسہرہ

پانچویں صدی ہجری کی نابغہ روزگار ہستیوں میں سے جو مختلف علوم و فنون میں مہارت و بصیرت اور تدریسی و تصنیفی خدمات کی بنا پر علمی افق پر جلوہ گر ہوئیں ان میں سے ایک اہم نام حسین بن مسعود الفراء البغوی کا ہے۔ آپ کی شخصیت اس لحاظ سے انتہائی قابل قدر ہے کہ بیک وقت مختلف علوم کے جامع اور بالخصوص تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ مگر اسقدر کمالِ علم اور رفعتِ شان کے باوجود آپ کی سوانح اور آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق مفقود ہے۔ قدیم و جدید مآخذ میں آپ کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ مقالہ ہذا میں بنیادی مصادر کے حوالے سے بغوی کی سوانح کے مختلف گوشوں کو امکانی سعی و کوشش کے ساتھ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور بالخصوص یہ اوّلین کاوش ہے جس میں آپ کی فقہی خدمات پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے جب کہ آپ کی شخصیت کا یہ گوشہ بالعموم اہل علم کی نگاہوں سے مخفی رہا ہے۔

نام و نسب

آپ کا پورا نام حسین بن مسعود الفرّاء البغوی ہے۔ "ابو محمد" کنیت لقب "محی السنۃ" اور بعض نے "رکن الدین" اور "ظہیر الدین" بھی ذکر کیا ہے[1]

بعض متاخرین "محی السنۃ" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رُوی انہ لمّا جمع کتابہ المسمّٰی بشرح السنۃ رای
النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی المنام فقال لہ احیاک
اللہ کما أحییت سُنّتی فصار ھٰذا اللقبُ علمالہ"۔[۲]

"فرّاء" لغت عرب میں صانع یا تاجر پوستین کو کہتے ہیں[۳] ذہبی لکھتے ہیں: "کان ابوہ یصنع الفرّاء"[۴] (ان کے والد پوستین دوزی کا کام کرتے تھے)

ولادت آپ کی ولادت "بغ" یا "بغشور" میں ہوئی[۵] امتدادِ زمانہ کے باعث یا تو یہ قریہ صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے یا عین ممکن ہے کہ اس کا نام تبدیل ہو چکا ہو قدیم و جدید مأخذ سے تحقیق و تلاش کے باوجود اس کا سراغ نہیں مل سکا البتہ سمعانی اور یاقوت حموی نے مختصراً اس قریۃ کا ذکر کیا ہے[۶] ان کے بقول یہ قریہ خراسان میں مرو اور ہراۃ کے درمیان واقع ہے اسے بغ اور بغشور کہا جاتا ہے۔ یہ قریہ بڑے بڑے فقہاء و محدثین کا مرکز رہا ہے اور وہ اس کی طرف منسوب ہو کر بغوی کہلائے۔ سمعانی اور یاقوت نے اس نسبت کے ساتھ مشہور بہت سے اصحاب علم کی طویل فہرست اپنی کتب میں نقل کی ہے[۷]

شعیب الدرناؤط نے "شرح السنۃ" کے مدون نسخہ کے مقدمہ میں اس رائے کا کا اظہار کیا ہے کہ بغوی کے سنِ ولادت کی تعیین کسی بھی مصدر نے نہیں کی[۸] جب کہ یاقوت نے "معجم البلدان" میں آپ کا سنِ ولادت ۴۳۳ھ نقل کیا ہے جو کہ بغوی کے اولین مصادر میں سے ہے۔ راقم نے اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں متعدد وجوہ کی بنا پر اسے ہی ترجیح دی ہے[۹]

بغوی کے خاندان کے بارے میں بھی معلومات دستیاب نہیں البتہ تاریخ و سیر کی بعض کتابوں میں آپ کے ایک بھائی حسن کا تذکرہ ملتا ہے جو غالباً آپ سے چھوٹے تھے اور ان کا بیشتر وقت آپ ہی کی صحبت اور تربیت میں گزرا[۱۰]۔ آپ کے والد کے بارے میں ذہبی کا بیان گزر چکا ہے کہ آپ کے والد پوستین دوز تھے اور انہیں فروخت کیا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کے عام حالات پردۂ خفاء میں ہیں قدیم و جدید مأخذان کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں اس کی شاید یہ وجہ ہو کہ آپ اس دور کے مشہور علمی مراکز مدارس نظامیہ

سے تعلیمی و تدریسی سلسلہ میں منسلک نہیں ہوئے ۔ آپ کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کا محور خراسان کے صرف دو شہر "مرو الرّوذ" اور بغ دہ رہے ہیں ۔ سُبکی لکھتے ہیں "آپ اگر بغداد تشریف لاتے تو آپ کا مبسوط تذکرہ ملتا[11]"

(راقم نے اپنے مقالہ میں ان اسباب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جن کی بناء پر آپ کے حالات پردۂ خفاء میں ہیں اور حیاتِ بغوی پر قدیم و جدید مآخذ کی روشنی میں تفصیلی بحث کی ہے[12])

تعلیم و تعلّم آپ کی زندگی کے عام حالات دستیاب نہ ہونے کی بناء پر آپ کے مصادر آپ کی تعلیمی سرگرمیوں پر روشنی نہیں ڈال سکے ۔ تاہم قیاس یہ چاہتا ہے کہ عام دستور کے مطابق آپ نے بچپن ہی میں تعلیم کی ابتداء کی ہوگی اور بعد میں سن تمیز کو پہنچ جانے پر سماعِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے ۔ بغ بالعموم جو امام موصوف کا مولد و مسکن تھا کبار محدثین و فقہاء کا مرکز رہا ہے[13] اس لیے گمان یہی ہے کہ آپ نے علم حدیث کی تحصیل کا آغاز وطنِ مألوف ہی سے کیا ہوگا ۔ بعد ازاں سماعِ حدیث کے لیے دوسرے شہروں کا رُخ کیا ہوگا ۔

امام موصوف نے تحصیلِ علم کی ابتداء کب کی ؟ اس بارے میں کسی مصدر نے کوئی اشارہ نہیں کیا ؟ تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ ۴۶۰ ھ سے بہت پہلے آپ تحصیل علم میں مشغول ہو چکے تھے ۔ دکتور یوسف نے مصابیح السنّۃ کے مدوّن نسخہ کے مقدّمہ میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ امام بغوی اپنے وطن بغ سے مرو الروذ کی طرف تحصیل علم کے لیے ۴۶۰ ھ کے بعد منتقل ہوئے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا[14] حالانکہ راقم کی رائے میں آپ ۴۶۰ ھ سے بہت پہلے طلبِ علم کے لیے بغ سے مرو منتقل ہو چکے تھے اور مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کر چکے تھے ۔ ہماری اس رائے کی تائید ذہبی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "تفقّہ علی الشیخ الشافعیۃ القاضی حسین بن محمّد المروالروذی صاحب التعلیقۃ قبل الستین وأربعمأۃ وسمع منہ[15]" (یعنی امام موصوف نے قاضی حسین سے ۴۶۰ ھ سے قبل فقہ کی تحصیل کی اور ان سے سماع کیا) درحقیقت فاضل محقق کو یہ غلط فہمی سُبکی کے قول "وسماعاتہ بعد الستین واربعمأۃ[16]" سے ہوئی حالانکہ سُبکی کا مدّعا

صرف یہ بتلانا ہے کہ آپ نے سماعِ حدیث کا آغاز ۴۶۰ھ کے بعد کیا۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے تحصیلِ علم کا آغاز ۴۶۰ھ کے بعد کیا؟ جب کہ سبکی کے استاد ذھبی کا مذکورہ بیان اس پر شاہد ہے کہ ۴۶۰ھ سے قبل آپ قاضی حسین سے فقہ کی تحصیل کر چکے تھے۔

ابن تغری بردی آپ کے علمی اسفار کے بارے میں لکھتے ہیں: "رحل البلاد وسمع الکثیر[17]" (آپ نے مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا اور بہت سے علماء سے سماع کیا) لیکن کسی بھی تذکرہ نگار نے ان شہروں کا ذکر نہیں کیا۔ غالب گمان یہی ہے کہ آپ کا سماعِ علمی زیادہ تر مروالروذ اور بنجدہ میں رہا۔

یاقوت بھی انہی دو شہروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "وکان بمروالروذ و بنج دہ[18]"

مروالروذ چھٹی صدی ہجری کے اواخر تک بڑے بڑے علماء و فضلاء کا مرکز رہا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے:

"اس شہر میں بڑے بڑے فضلاء پیدا ہوئے جو اس کی طرف منسوب ہو کر مروالروذی یا مروذی کہلائے[19]"

اور سمعانی لکھتے ہیں:

"کان بها جماعة الفضلاء قديماً وحديثاً[20]"

شیوخ و اساتذہ

امام بغوی نے مختلف علوم و فنون میں علماء خراسان کی کثیر تعداد سے کسبِ فیض کیا جن میں سے احمد بن عبد الملک ۴۷۰ھ[21] قاضی حسین بن محمد المروالروذی ۴۶۲ھ[22] (جن کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں آرہا ہے) عبد الرحمٰن بن محمد الفورانی المروذی ۴۶۱ھ[23] عبد الرحمٰن بن محمد بن المظفر الداؤدی ۴۶۷ھ[24]، ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری ۴۶۵ھ[25] علی بن یوسف الجوینی ۴۶۳ھ[26] اور عمر بن عبد العزیز القاشانی المروذی ۴۶۳ھ[27] قابل ذکر ہیں۔

امام موصوف نے اپنے دور کے جن اکابر علماء سے علم کی تحصیل کی ان میں سے کثیر تعداد محدثین کی ہے آپ نے کثرت کے ساتھ ان سے احادیث روایت کیں اور اپنی تفسیر میں بھی

ان ہی کی نقل کردہ روایات پر اعتماد کیا ہے اور ان کے سلاسلِ اسناد بھی ذکر فرمائے ہیں۔ تفسیر و احادیث کے مختلف مباحث پر مشتمل اپنے اساتذہ کی توضیحات و تشریحات کو بھی اپنی کتب میں جا بجا نقل کیا ہے۔

تدریسی خدمات

تحصیلِ علم کے بعد امام صاحب نے مرو الروذ ہی کو اپنا وطنِ ثانی اور علوم کی نشر و اشاعت کا مرکز بنایا جیسا کہ سبکی لکھتے ہیں: "آپ نے مرو الروذ میں اقامت اختیار کی اور وہیں فوت ہوئے"[۲۸]

سلاطینِ سلاجقہ کے دور میں یہ شہر علماء و فقہاء کا مرکز بنا ہے۔ سبکی اس شہر کو "مربع العلماء" (علماء کا بہارستان) قرار دیتے ہیں[۲۹] یہیں پر آپ نے مقیم رہ کر بقیہ عمر تفسیر، حدیث اور فقہ کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزار دی۔

تلامذہ

علماء و فضلاء کی کثیر تعداد نے امام صاحب کے علمی فیوضات سے مستفید ہو کر آپ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے حسن بن مسعود البغوی ۵۲۹ھ[۳۰]۔ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ النیہی[۳۱] عبد الرحمان بن علی الموفقی ۵۴۲ھ[۳۲] عمر بن الحسین الرازی (بعد ۵۵۹ھ) والد امام رازی[۳۳] فضل اللہ بن محمد النوقانی ۶۰۰ھ[۳۴]، محمد بن اسعد العطاری ۵۷۳ھ[۳۵] محمد بن الحسین بن محمد الزاعولی ۵۵۹ھ[۳۶] محمد بن محمد الطائی الہمذانی ۵۵۵ھ[۳۷] اور ملکداد بن علی بن أبی عمرو القزوینی[۳۸] اپنی شاندار علمی خدمات کی بناء خاص شہرت کے حامل ہیں۔

وفات

امام بغوی کے سن وفات میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے ۵۱۰[۳۹] ابن تغری بردی نے ۵۱۵ھ[۴۰] اور دیگر تذکرہ نگاروں نے ۵۱۶ھ نقل کیا ہے[۴۱]

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ۵۱۶ھ راجح ہے جسے یاقوت وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ یاقوت حموی ابن خلکان سے متقدم ہے اس نے معجم البلدان میں سن وفات ۵۱۶ھ ہی نقل کیا ہے جو کہ بغوی کے اولین مصادر میں سے ہے۔ نیز ابن خلکان اور ابن تغری بردی آپ کا سن وفات ۵۱۰ھ اور ۵۱۵ ذکر کرنے میں متفرد ہیں۔ باقی تمام مصادر ۵۱۶ھ ذکر کرنے

میں متفق ہیں ۔ یہ قول اس بنار پر بھی راجح ہے کہ بقول سُبکی آپ کے ایک شاگرد فضل اللہ النوقانی کی ولادت ۵۱۴ھ میں ہوئی اور ان کے والد نے امام موصوف سے ان کے لیے روایت کی اجازت طلب کی تھی جو آپ نے عطا فرمائی تھی[۴۲] جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام صاحب ۵۱۴ھ میں حیات تھے[۴۳]

اخلاق واوصاف

امام بغوی کی ساری زندگی زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور اتباعِ سنّت سے عبارت ہے۔ آپ کے ان کمالات کا اعتراف مختلف تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

ذہبی لکھتے ہیں :

"آپ عالم ربّانی تھے، سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے اور معمولی گزران پر قناعت کرتے تھے[۴۴]"

طبیعت میں انتہائی سادگی تھی، سادہ لباس زیب تن کرتے تھے ذہبی فرماتے ہیں "آپ لباس میں تکلّف نہیں برتتے تھے، اُون کے کپڑے پہنتے اور چھوٹا سا عمامہ استعمال کرتے تھے[۴۵] غذا بھی انتہائی سادہ تھی" سُبکی کے بقول آپ عسرت سے زندگی گزارتے تھے، صرف خشک روٹی پر اکتفا کرتے جب لوگوں نے حد درجہ اصرار کیا کہ یہ نقصان دہ ہے تو خشک روٹی کو زیتون کے تیل کے ساتھ کھانے لگے[۴۶] زہد و تقویٰ اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ ان کی بیوی نے اپنے ترکہ میں کافی مال واسباب چھوڑا مگر آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہ لیا[۴۷] درس و تدریس سے انتہائی شغف تھا ہمیشہ باوضو درس دیا کرتے تھے[۴۸]

امام بغوی علمار کی نظر میں

ہر دور کے علمار نے آپ کی امامت، جلالتِ شان، تبحّرِ علمی، تفقہ فی الدین اور جامع علم و عمل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند مشہور علمار کی تصریحات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

یاقوت حموی لکھتے ہیں :

الامام الفقیہ العالم المشہور صاحب التصانیف[۴۹]"

ابوالفدار آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

"الفقيه المحدّث كان بحرًا فی العلوم[۵۰]"

ذہبی آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"الامام الحافظ الفقيه المجتهد محی السُّنّة[۵۱]"

سُبکی لکھتے ہیں :

"كان إمامًا جليلاً ورعًا، زاهدًا، فقيهًا، محدثًا، مفسرًا جامعًا بين العلم والعمل سالكًا سبيل السّلف[۵۲]"

ابن کثیر فرماتے ہیں :

"كان علامة زمانه فيها - كان دينًا ورعًا، زاهدًا، عابدًا، صالحًا[۵۳]"

سیوطی لکھتے ہیں :

"كان إمامًا فی التفسير، إمامًا فی الحديث، امامًا فی الفقه[۵۴]"

ابن ہدایۃ اللہ الحسینی تحریر فرماتے ہیں :

"الامام فی التفسير والحديث والفقه[۵۵]"

تصانیف امام بغوی نے اپنے دور میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ ان علوم میں گرانقدر کتب تالیف کیں جو ہر دور کے اہل علم کے ہاں مقبول و متداول رہیں اور علماء کی کثیر تعداد نے ان پر شروح وحواشی اور تعلیقات تیار کئے، اسی بنا پر ذہبی لکھتے ہیں :

"بُورك له فی تصانيفه ورزق فيها القبول التام لحسن قصده وصدق نيّته وتنافس العلماء فی تحصيله[۵۶]"

آپ کی تصانیف جامعیّت، حسن ترتیب اور منفرد اسلوب کی بنا پر امتیازی شان رکھتی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے دور کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سادہ اور عام فہم زبان میں فلسفیانہ و متکلمانہ مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے دین کے حقائق و معارف آثار و اقوالِ سلف کی روشنی میں پیش کئے ہیں۔ قدیم و جدید مآخذ و مصادر

کی طرف رجوع کرتے کے بعد بغوی کی صرف پندرہ کتب تک رسائی ہو سکی ہے۔ ان میں سے تین مطبوعہ ہیں چھ مخطوطات کی شکل میں اور باقی مفقود ہیں۔ مختلف علوم و فنون پر آپ کی یادگار تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر و علم القراءۃ

۱۔ معالم التنزیل یہ تفسیر متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ آخری مرتبہ دار المعرفۃ بیروت سے ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء میں خالد العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار اجزاء میں طبع ہوئی ہے۔ ان حضرات نے ان احادیث کی تخریج کی ہے جنہیں بغوی نے بلا اسناد نقل کیا ہے مشکل اور غریب الفاظ کی توضیح اور اہم مباحث پر مشتمل مختصر حواشی قائم کئے ہیں اور مختلف خطی نسخوں کا تقابل کر کے تفسیر ہذا کو شائع کیا ہے۔ سابقہ نسخوں میں موجودہ اغلاط کی اصلاح کی ہے مگر ان کی تمام تر عرق ریزی کے باوجود اس میں طباعت کی اغلاط جا بجا موجود ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے تحقیقی کام میں تفسیر ہذا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اس کے اسلوب پر تنقیدی نقطہ نظر سے بحث کی ہے، تفسیر میں موجود اسرائیلیات اور موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے، تفسیر میں مختلف لغوی، نحوی، صرفی، فقہی اور کلامی مباحث کے بیان میں بغوی کے طرز بیان، طرز استدلال، استنباط مسائل اور مہارت فن کو اجاگر کیا ہے۔ نیز تفسیر مذکور جن محاسن و خصوصیات کی بنا پر کتب تفسیر میں امتیازی مقام کی حامل ہے ان پر دیگر کتب تفسیر سے موازنہ کرتے ہوئے بحث کی ہے۔

۲۔ الکفایۃ فی القراءۃ اس تصنیف کا ذکر صرف حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے[۵۴] یہ کتاب مفقود ہے۔ بقول مُلّا علی القاری بغوی موصوف کو علم قراءۃ میں مہارت حاصل تھی، "کان ماھرًا فی علم القراءۃ"[۵۵] یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی تفسیر میں ان سات مشہور قرّاء کی قراءتوں کا بھی اہتمام سے ذکر کیا ہے جن پر امت کا اتفاق ہے اور مقدمہ تفسیر میں ان طُرق کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان قراء نے اپنی قرائت کن واسطوں سے صحابہ کرام رضی

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی[59] تفسیر میں جا بجا علم القرائت سے متعلق بحثیں بھی موجود ہیں۔ اندازہ ہے کہ رسالہ مذکور مشہور قرآء کی قراءتوں اور قرائت سے متعلق ضروری مباحث پر مشتمل ہوگا۔

ب۔ حدیث وعلوم الحدیث

۱۔ اربعون حدیثا ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں اس کا ذکر کیا ہے[60]۔ کتاب کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب چالیس منتخب احادیث پر مشتمل ہوگی جس میں متفرق عنوانات پر صحیح احادیث جمع کی ہوں گی۔

۲۔ الانوار فی شمائل النبی المختار حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے[61]۔ کتاب کے نام سے واضح ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف اور اخبار پر مبنی احادیث پر مشتمل ہوگی۔ اس کتاب کے بارے میں کتانی لکھتے ہیں کہ مصنف نے اسے ۱۰۱ ابواب پر محدثین کے طریقہ کے مطابق (یعنی اسانید کے ساتھ) مرتب کیا ہے[62]۔

۳۔ الجمع بین الصحیحین مختلف تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث جمع ہونگی۔ یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

۴۔ شرح الجامع للترمذی بروکلمان نے اس کا ذکر کیا ہے[63]۔

۵۔ شرح السنۃ یہ کتاب طویل عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد شعیب الارنؤوط اور زہیر الشاویش کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۳۹۰ھ۔ ۱۴۰۳ھ میں المکتب الاسلامی بیروت سے (سولہ[16]) اجزاء میں طبع ہو چکی ہے۔

راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالہ میں بغوی کی خدماتِ حدیث کے ضمن میں شرح السنۃ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ شروح احادیث کے آغاز اور کتب شروح میں شرح السنۃ کے مقام پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور شرح احادیث کے ضمن میں بیان کردہ مختلف فقہی کلامی اور جرح وتعدیل سے متعلق مباحث میں بغوی کے طرز واسلوب پر مثالوں کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے اور

صحت کے اعتبار سے شرح السنۃ کا درجہ متعین کیا ہے۔

۶۔ المدخل الی مصابیح السنۃ | صرف بروکلمان نے اس کا ذکر کیا ہے[۲۶]

۷۔ مصابیح السنۃ | یہ کتاب آخری بار بیروت سے ۱۴۰۷ھ میں دکتور یوسف عبدالرحمان المرعشلی، محمد سلیم، ابراہیم سمارۃ اور جمال حمدی الذہبی کی تحقیق کے ساتھ چار اجزاء میں طبع ہوئی ہے۔ مصابیح السنۃ کے اس محقق نسخہ میں مقدمۃ التحقیق کے عنوان سے ایک مختصر مقدمہ بھی شامل ہے جو حیات بغوی اور تعارف کتاب پر مشتمل ہے۔

ان حضرات نے کتاب میں موجود کتب، ابواب اور احادیث کی ترقیم (NUMBERING) کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کی تخریج کی ہے۔ ان کی تمام تر عرق ریزی کے باوجود بعض چیزیں قابلِ گرفت اور بعض پہلو تشنۂ تکمیل ہیں۔ مثلاً

۱۔ کتاب کا زمانۂ تالیف متعین طور پر ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔

۲۔ اگرچہ احادیثِ کتاب کی ترقیم کر دی گئی ہے مگر مکررات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔

۳۔ بغوی کی حیات پر بحث کرتے ہوئے ان اسباب کا جائزہ نہیں لیا گیا جن کی بنا پر آپ کی زندگی کے عام حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

۴۔ بغوی کے شیوخ و اساتذہ کی اگرچہ طویل فہرست دی گئی ہے مگر بعض اہم شیوخ کو حذف کر دیا گیا ہے حالانکہ بغوی معالم التنزیل اور شرح السنۃ میں بکثرت ان کی سند کے ساتھ احادیث نقل کرتے ہیں۔

۵۔ مصابیح السنۃ کی شروح کے بیان میں مذکورہ محققین سے جا بجا صریح غلطیاں سرزد ہوئی ہیں (راقم نے اپنے تحقیقی مقالہ میں ان کی نشاندہی کر دی ہے)

۶۔ طباعت کی بھی کچھ غلطیاں موجود ہیں مثلاً ج ۱ ص ۴۸ پر معجم البلدان کی نسبت ابن خلکان کی طرف کی گئی ہے۔

راقم نے اپنے تحقیقی کام میں کتاب ہذا پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کی تقریباً تنتالیس[۴۳] شروح

تلخیصات، تخریجات اور اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ان کے مختلف مخطوطات کی نشاندہی کی ہے۔ کتاب ہذا میں مؤلف کے اسلوب کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور اس کی مختلف خصوصیات کو دیگر کتب حدیث کے موازنہ کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔

حدیث کے دونوں مجموعوں مصابیح السنۃ اور شرح السنۃ میں موجود فرق کیا ہے؟ ان میں سے اولین مرتب کردہ مجموعہ کونسا ہے؟ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے دونوں کتب کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

(ج) تاریخ

معجم الشیوخ بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں اس کا ذکر کیا ہے[65] اس کتاب میں بغوی نے مختلف علماء و مشائخ اور ان کی تالیفات کا ذکر کیا ہے۔

(د) فقہ و علوم فقہ

اس پر مفصل بحث آئندہ سطور میں کی جائے گی۔

علم فقہ میں بغوی کی خدمات

علمی حلقوں میں بغوی ایک مفسر و محدث کی حیثیت سے تو مشہور ہیں لیکن بحیثیت فقیہ آپ کی شخصیت کا یہ گوشہ اہل علم کی نگاہوں سے عموماً اوجھل رہا ہے۔ مقالہ ہذا میں اس پہلو کو پہلی بار منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

فقہی مسلک فقہی مسلک کے اعتبار سے امام بغوی شافعی تھے۔ مختلف علماء نے آپ کا شمار مذہب شافعی کے ائمہ میں کیا ہے[66]

امام موصوف نے جس ماحول اور جن علاقوں میں تعلیم و تربیت حاصل کی وہاں فقہ شافعی کا رہا ہے (بالخصوص ایران کے مشرقی علاقے خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ[67]

تاریخی مطالعہ سے اس کے دو بنیادی اسباب سامنے آتے ہیں:

۱- یہ علاقے ایک مدت تک شافعی علماء کا مرکز رہے ہیں۔ یہاں فقہ شافعی کی سب سے زیادہ نشر و اشاعت فقیہ ابوبکر القفال ۴۱۷ھ اور ان کے شاگردوں کے ذریعے ہوئی[68]

۲- ان علاقوں میں فقہ شافعی کی اشاعت اور ترقی میں سیاسی عوامل بھی کارفرما رہے ہیں۔ سلجوقی حکمرانوں کی زیر سرپرستی اس مسلک کو خوب ترویج حاصل ہوئی، بالخصوص سلجوقی عہد کے وزیر نظام الملک نے ۴۸۵ھ (جو علم و ادب سے بڑا شغف رکھتا تھا اور مسلکاً شافعی تھا) ایران کے تمام شہروں میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی اور ان میں اس دور کے مشہور شافعی علماء کو مدرس مقرر کیا[69] ان مدارس میں مسند تدریس پر فائز ہونے والے شافعی علماء میں سے ابو اسحٰق الشیرازی ۴۷۶ھ[70] امام الحرمین عبدالملک الجوینی ۴۷۸ھ[71] اور ابو حامد محمد الغزالی ۵۰۵ھ[72] خاص شہرت کے حامل ہیں اوّل الذکر اور آخر الذکر مدرسہ نظامیہ بغداد سے اور ثانی الذکر مدرسہ نظامیہ نیشاپور سے منسلک رہے ہیں۔

امام بغوی نے فقہ شافعی کو کیوں اختیار کیا۔ اس کے دو بنیادی اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

۱- جس ماحول اور جس دور میں آپ نے پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی وہ فقہ شافعی کے عروج و ترقی اور غلبہ کا زمانہ تھا۔ بالخصوص خراسان کا علاقہ فقہ شافعی کا مرکز شمار ہوتا تھا۔ امام موصوف اسی ماحول کے پروردہ تھے اس لیے فطرتی طور پر اسی کی طرف میلان رہا۔

۲- آپ نے جن اساتذہ سے فقہ حاصل کی وہ مذہب شافعی سے تعلق رکھتے تھے بالخصوص قاضی حسین جن کا شمار فقہ شافعی کے مشہور ائمہ میں ہوتا ہے۔

قاضی حسین کا پورا نام حسین بن محمد بن احمد، ابوعلی المروزی ہے۔ بغوی نے طالبعلمی کا بیشتر زمانہ آپ ہی کی صحبت و تربیت میں گزارا اور بالخصوص آپ سے فقہ کی تحصیل کی۔ سُبکی لکھتے ہیں:

"تفقه على القاضي حسين وهو من اخص تلامذته[73] آپ مشہور شافعی فقیہ ابوبکر القفال کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ ابن خلکان آپ کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:

"ابوعلی الحسین بن محمد المروزی صاحب التعلیقہ، فقیہ شافعی جو قاضی کے لقب سے مشہور تھے بڑے امام مذہب شافعی کے اصحاب الوجوہ میں سے تھے اور جب کبھی بھی امام الحرمین کتاب "نہایت المطلب" اور غزالی "الوسیط" اور "البسیط" میں "قال القاضی" کہتے ہیں تو ان کی مراد یہی قاضی حسین ہوتے ہیں۔ آپ نے ابوبکر قفال سے فقہ کی تحصیل کی اور اصول، فروع اور خلاف میں

کتب تصنیف کیں۔ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے، درس دیتے اور فتویٰ دیتے تھے ان سے بڑے بڑے علماء کی جماعت نے فقہ حاصل کی۔ آپ نے ۴۶۲ھ میں مروالروذ میں وفات پائی[۵۴]"

علم فقہ میں بغوی کا مرتبہ و مقام ۔ علماء کی نظر میں

آپ کی فقہی مہارت اور مجتہدانہ صلاحیت کو کبار علماء نے تسلیم کیا ہے۔ سبکی لکھتے ہیں: "لہٗ فی الفقہ الید الباسطۃ،[۵۵]" (آپ کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی) آگے تحریر فرماتے ہیں: "وفی الفقہ متّسع الدائرۃ نقلاً و تحقیقاً۔ کان الشیخ الامام یجلّ مقدارہ جدًّا ویصفہ بالتحقیق مع کثرۃ النقل وقال فی باب الرّھن من تکملۃ شرح المھذّب۔ اعلم ان صاحب التھذیب قلّ ان رأیناہ یختار شیئًا واذا بحث عنہ وجدا قویٰ من غیرہ ھذا مع اختصار کلامہ وھو یدلّ علیٰ نبل کبیر[۵۶]"
(آپ کا فقہ میں معلومات کا دائرہ نقل و تحقیق میں بڑا وسیع ہے اور شیخ امام (ذھبی) آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ تکملۃ شرح المھذب کے اندر "باب الرھن" میں لکھا ہے کہ "جان لو ہم نے صاحب التھذیب بغوی کو کم ہی ایسا دیکھا ہے کہ انہوں نے کسی قول کو اختیار کیا ہو مگر جب اس سے بحث کی گئی تو اس کو اور اقوال کے مقابلہ میں زیادہ قوی پایا اور یہ ان کا مختصر کلام ان کی مہارت فن پر دلالت کرتا ہے)۔

ملّا علی القاری لکھتے ہیں:

"کان فیہا من اصحاب الوجوہ۔ قال بعض مشائخنا لیس لہ قول ساقط[۵۷]"

(آپ کا شمار اصحاب الوجوہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ کا بیان ہے کہ آپ کا کوئی قول ساقط نہیں۔)

فقہ میں آپ درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ذھبی آپ کو مجتہد شمار کرتے ہیں: "الفقیہ المجتہد[۵۸]"

سیوطی فقہ میں آپ کی امامت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں "کان اماما فی الفقہ[۴۹]"

فقہی تالیفات دیگر علوم کے علاوہ آپ نے فقہ میں بھی یادگار کتب تصنیف کیں جو فقہ شافعی میں بلند مقام کی حامل ہیں۔ کبار علماء شافعیہ نے ان سے استفادہ کیا اور اپنی کتابوں میں جابجا ان کے حوالے پیش کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں فقہ شافعی کی نشر و اشاعت میں آپ کی کتب کا گرانقدر حصہ ہے۔ علم فقہ میں آپ کی ۵ تصنیف تک رسائی ہوسکی ہے جن میں سے دو مفقود ہیں اور بقیہ موجود غیر مطبوع۔ یہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ترجمۃ الاحکام فی الفروع یہ کتاب فقہ شافعی میں بزبان فارسی تحریر کی گئی ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: "ترجمۃ الاحکام فی الفروع فارسی لمحی السنۃ حسین بن مسعود البغوی[۵۰]"

ب۔ التہذیب فی الفقہ یہ کتاب فقہی مسائل پر مرتب کی گئی ہے اور سے امام بغوی نے اپنے استاد شیخ القاضی حسین کی تعلیق سے ملخص کیا ہے اور کچھ اختصار و زیادات بھی کئے ہیں۔ یہ کتاب صرف مسائل پر مشتمل ہے اور دلائل سے خالی ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: "وھو تالیف محرر مھذب مجرد عن الادلۃ غالبا لخصہ من تعلیق شیخہ القاضی حسین وزاد فیہ ونقص[۵۱]"

یہ کتاب مذہب شافعی کی معتبر و مستند کتب میں سے ہے اور کبار شوافع اس کے مسائل کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ بروکلمان نے اس کے مختلف مخطوطات کا ذکر کیا ہے[۵۲]

مختصرات تہذیب حاجی خلیفہ نے تہذیب کی دو مختصرات کا ذکر کیا ہے۔ "لباب التہذیب" جس کی ابتداء الحمد للہ المتعال فی کبریائہ الخ سے کی گئی ہے۔ مؤلف کتاب لکھتے ہیں: ھذا لباب التہذیب مع اشتمالہ علی مزید التنقیح والترتیب" اس کی تلخیص شیخ الامام حسین بن محمد المروزی الہروی الشافعی نے کی ہے[۵۳]

۲۔ "مختصر التہذیب" حاجی خلیفہ کے بقول اس کا اختصار شیخ شہاب احمد بن المنیر الاسکندری نے کیا ہے ۶۸۲ھ[84]

ج۔ فتاوی البغویہ

بغوی نے اس میں ان فتاوی کو جمع کیا ہے جو ان سے پوچھے گئے تھے[85] بروکلمان نے اس کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے[86]

د۔ فتاوی المروالروذی

یہ فتاوی ان فقہی مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے جو بغوی کے استاد قاضی حسین سے پوچھے گئے تھے۔ بغوی نے ان تمام مسائل کو جمع کر کے یہ فتاوی مرتب کیا۔

عام طور پر بغوی کے مصادر نے ان کی طرف ایک ہی فتاوی منسوب کیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے بغوی نے اپنے ذاتی فتاوی کے علاوہ بھی ایک فتاوی" فتاوی المروالروذی" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اور اس کی تائید سبکی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں:

" ولہ فتاوی مشھورۃ لنفسہ غیر فتاوی القاضی حسین التی علقھا ھو عنہ[87]" بغوی کا اپنا ذاتی فتاوی بھی مشہور ہے۔ یہ فتاوی قاضی حسین کے فتاوی کے علاوہ ہے۔ نیز مذکورہ دونوں فتاوی کے خطی نسخے موجود ہیں۔ بروکلمان نے فتاوی البغویہ کے ایک خطی نسخے کا جو مکتبہ سلیمانیہ (۲۷۵ : ۳) میں ہے ذکر کیا[88] جبکہ فتاوی المروالروذی کے ایک قلمی نسخہ کی نشاندہی دار الکتب الظاہریہ دمشق ۲۳۱۱ (۲۷۴ : ۳ : فقہ شافعی) میں کی ہے[89]

ھ۔ الکفایۃ فی الفروع

یہ فقہ شافعی کا عجمی زبان میں اختصار ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ اسے فارسی زبان میں تحریر کیا گیا ہے صرف حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے[90] یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

فقہی مباحث میں بغوی کا اسلوب و منہاج

آپ کی فقہی تصانیف میں سے کوئی ایک بھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی براہ راست آپ کی ان کتب تک رسائی نہ ہونے کی بنا پر آپ کی فقہی مہارت، مجتہدانہ صلاحیت اور استنباط مسائل میں آپ کے طرز و اسلوب اور طریق استدلال کو اجاگر کرنا ذرا مشکل ہے تاہم اس کا کچھ

اندازہ ان فقہی مباحث سے قدرے ہو سکتا ہے جو آپ کی مطبوعہ تفسیر معالم التنزیل اور شرح السنۃ میں موجود ہیں ۔ ان مباحث کے مطالعہ سے آپ کا جو فقہی اسلوب سامنے آتا ہے اس کی قدرے وضاحت درج ذیل سطور میں پیش کی جاتی ہے ۔

۱ ۔ بغوی فقہی مسائل کی شرح و توضیح میں نصوص کتاب و سنت کو اساس و بنیاد بناتے ہیں ۔ اور اس سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں ۔ دلائل کے ذکر میں عقل سے زیادہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں ۔ حدیث کے ساتھ کامل مناسبت کی وجہ سے بکثرت سنت سے استشہاد کرتے ہیں ۔ صحابہ و تابعین مثلاً عمر بن الخطابؓ، علیؓ ، ابن عباسؓ ، ابن عمرؓ ، ابن مسعودؓ ، عائشہؓ سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ ، زہریؒ ، اور اوزاعیؒ وغیرہ کی آرا بھی ذکر کرتے ہیں اور بالخصوص فقہاء اربعۃ شافعیؒ ، احمدؒ ، مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی بھی وضاحت کرتے ہیں [۹۱]

۲ ۔ بغوی مسلکی تعصّب سے بالاتر رہتے ہوئے تمام فقہاء کا ذکر ادب و احترام سے کرتے ہیں بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کا ذکر کرتے وقت بیشتر مقامات پر رضی اللہ عنہ ساتھ لکھتے ہیں [۹۲] شافعی ہونے کے باوجود نہ تو مسلک شافعی کی حمایت و دفاع اور دیگر مسالک کی تردید میں اپنا زور صرف کرتے ہیں اور نہ ہی دیگر فقہاء و ائمہ کے دلائل ذکر کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور یہ چیز آپ کی بے تعصبی پر بخوبی دال ہے ۔

۳ ۔ تفسیر آیات اور شرح احادیث میں آپ عموماً اختلاف فقہاء اور فقہی مذاہب و مسالک نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مستدلات کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے ۔ مثلاً آیت کریمہ : "ومن کان مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایّامٍ اُخر [۹۳] کی تفسیر میں سفر میں روزہ رکھنے سے متعلق ائمہ کا اختلاف مع دلائل کیا ہے [۹۴] اور شرح السُّنّۃ میں "وضوء بالنّبیذ " کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے [۹۵]

عموماً اختلافی مسائل میں راجح مسلک کی تعیین نہیں کرتے ۔ دلائل کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں تاکہ قاری خود ان دلائل کی روشنی میں فیصلہ کر سکے کہ کونسا مسلک دلائل کے اعتبار سے اقویٰ اور اوفق للنص ہے ؟

۴۔ کبھی اپنے عمومی اسلوب سے ہٹ کر مذہب شافعی کے دفاع میں فریق مخالف کے دلائل کا جواب بھی دیتے ہیں۔

مثلاً شرح السنّۃ میں احناف کی اس رائے سے کہ" ماء کثیر کی وہ مقدار جو نجس نہیں ہوتی وہ دردہ ہے"، اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں" اور اس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں اور بعض نے ماء کثیر (جو نجس نہیں ہوتا) سے پانی کی اتنی مقدار مراد لی ہے جو بڑے تالاب میں ہو اگر اس کی ایک جانب حرکت دی جائے تو دوسری جانب متحرک نہ ہو اور یہ تحدید حد درجہ جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ حرکت دینے والوں کے احوال قوت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں[96]"،

مسئلہ" تطہیر بالمائع" میں آپ کا مسلک یہ ہے کہ پانی کے علاوہ دیگر مائعات کے ساتھ جس طرح وضو جائز نہیں اسی طرح اگر ان سے نجاست دھوئی جائے تو طہارت حاصل نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں آپ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تطہیر کے لیے پانی ہی کو مختص کیا ہے۔" وانزلنا من السّمآء ماءً طهورًا[97] نیز ارشاد ربانی ہے۔" وینزل علیکم من السّمآء ماءً لیطهرکم[98]" اگر پانی کے علاوہ کسی اور چیز کو بھی تطہیر میں شریک کریں گے تو تخصیص کا مفہوم ختم ہو جائے گا۔" اصحاب رائے کا مسلک (کہ پاک مائعات سے ازالہ نجاست درست ہے سوائے تیل اور دودھ کے) آپ کے نزدیک اس لیے قوی نہیں کہ" پانی کے علاوہ کسی مائع کے ساتھ ازالہ نجاست جائز ہوتا تو وضو بھی جائز ہونا چاہیے تھا[99]"،

۵۔ اختلافی مسائل میں مختلف فقہاء کے دلائل ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی کسی مسلک کو ترجیح بھی دیتے ہیں اور ایسا عموماً مشہور اختلافی مسائل میں ہوتا ہے۔ مثلاً" رفع یدین" میں اختلاف فقہاء مع دلائل نقل کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔" قلتُ واحادیث رفع الیدین فی المواضع الاربع اصحّ واثبتُ فاتباعها اولیٰ[100]"،

اسی طرح آیت کریمہ" والمطلقٰت یتربّصن بانفسهنّ ثلٰثة قروءٍ[101]" کی تفسیر میں" قرء" کے معنی حیض یا طہر کی تعیین میں فقہاء کے اختلافی اقوال اور ہر فریق کے دلائل نقل کرنے کے بعد قرء بمعنی طہر کو احادیث نبوی اور لغت سے استشہاد کرتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں[102]

۶۔ بغوی اگرچہ مسلکاً شافعی ہیں مگر اس کے باوصف تقلید جامد کے قائل نہیں چونکہ خود بھی مجتہد ہیں اس لیے فقہ میں مجتہدانہ بصیرت و مہارت کی بناء پر بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور جو مسلک دلائل کے اعتبار سے اقویٰ اور اوفق للنص ہوتا ہے اس کی تائید کرتے ہیں اور اس سے آپ کی بے تعصبی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کی واضح مثال "صلوٰۃ کسوف" (سورج گرہن کی نماز) میں قرأت کی کیفیت کے متعلق آپ کا نقطہ نظر ہے۔ شرح السنۃ میں اس مسئلہ پر آپ نے فقہاء کے دو مسلک ذکر کیے ہیں۔ جہری قرأت کی نسبت امام مالک احمد اور اسحاق کی طرف کی ہے اور سری قرأت کی امام شافعی اور اصحاب رائے کی طرف۔ مسلک ثانی کی تائید جس حدیث ہوتی ہے وہ ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے " قام قیاماً طویلاً نحواً من سورۃ البقرۃ "[۱۰۳] (یعنی آپ نے اتنا طویل قیام فرمایا جتنا سورۃ بقرہ کی تلاوت میں ہوتا ہے) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بغوی فرماتے ہیں " اگر آپ بلند آواز سے قرأت کرتے تو اندازہ و تخمینہ لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی "۔ آپ امام شافعی کے برخلاف مسلک اوّل کو عقل و نقل سے مؤید کرتے ہوئے راجح قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں " اوّل مسلک راجح ہے کیونکہ اس کی تائید جس حدیث سے ہوتی ہے[۱۰۴] اس میں قرأت جہر کا صراحۃً اثبات ہے اور حدیث مثبت اولیٰ ہوتی ہے۔ جہاں تک حدیث ابن عباسؓ کا تعلق ہے تو ممکن ہے امام سے بُعد کی بناء پر یا کسی اور سبب سے قرأت نہ سن سکے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اندازہ و تخمینہ قرأت سری کو ثابت کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ آپ نے کئی ایک سورتوں کی قرأت کی ہو اور وہ مقدار میں اتنی ہوں جتنی سورۃ بقرۃ۔ ابن عباسؓ نے تمام سورتوں کا نام لینے کے بجائے اختصار کو ترجیح دی اور مقصود ذکر کر دیا جس سے مقدارِ قرأت کی طرف راہنمائی ہوتی ہے[۱۰۵]

۷۔ بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ میں ائمہ کے مختلف مسالک نقل کرنے کے بعد شوافع کے علاوہ فقط کسی ایک مسلک کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور باقی سے سکوت اختیار کرتے ہیں اور اس سے شاید اس کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ مسلک ان کے نزدیک راجح ہے۔ مثلاً آیت کریمہ " اولٰمستم النساء "[۱۰۶] کی تفسیر میں حنفی مسلک (یعنی مسِ مرأۃ ناقض وضوء نہیں) کی دلیل ذکر کر دی ہے اور باقی سے سکوت اختیار کیا ہے[۱۰۷]

۸۔ بغوی آیات الاحکام کی تفسیر میں آیات سے متعلق بعض ایسے ضمنی مسائل بھی ذکر فرماتے ہیں جو فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہوتے ہیں۔ بیشتر مقامات پر انہیں احادیث کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ :"والسّارقُ والسّارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالاً من الله ۸ ؎" کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد کہ قطع ید کا حکم کتنی مالیت کی چوری پہ لگایا جاتا ہے۔ آیت سے متعلق درج ذیل مسائل ضمناً ذکر فرماتے ہیں :

۱۔ جب غیر محفوظ مقام سے چوری کرے مثلاً ایسے باغ سے پھل چوری کرے جس کا کوئی محافظ نہ ہو یا ایسے جانور جو جنگل میں ہوں اور ان کا کوئی نگران نہ ہو یا وہ سامان جو ایسے گھر میں ہو جو الگ تھلگ واقع ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حریسة جبل ۹ (درخت پہ لگے ہوئے پھل اور رسی کی چوری پہ قطع ید کی سزا نہیں)

۲۔ اور اگر پھل اتار لیے ہوں یا خشک کرنے کے مقام پر آگئے ہوں تو ڈھال کی قیمت کے برابر چوری کرنے پہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۳۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا :" خائن، لوٹنے والے اور اُچکے پہ قطع ید نہیں۔

۴۔ اور جب ایسا مال چوری کرے جس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو جیسے غلام اپنے آقا کا مال چرائے یا لڑکا اپنے والد کا یا والد اپنے لڑکے کا مال چرائے یا مال مشترکہ کے شرکاء میں سے کوئی ایک اس میں سے چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ۹۱؎

۹۔ بعض اوقات کسی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے سلسلے میں موضوع سے متعلق تمام قرآنی آیات ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جس سے مسئلہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً آیت کریمہ" والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء ۹۲ ؎"، کی تفسیر میں حاملہ، غیر حاملہ، بیوہ، مطلقہ مدخول بہا اور مطلقہ غیر مدخول بہا عورتوں میں سے ہر ایک کی مدّتِ عدت کا تعین مختلف آیات کو یکجا جمع کر کے نقل کر دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

"عورت جب حاملہ ہو تو اس کی عدّت وضع حمل ہے چاہے تفریق طلاق کے ذریعے ہو یا شوہر کی وفات کے سبب جیسا کہ ارشادِ باری ہے" واولات الاحمالِ

اجلهنّ ان یضعن حملهنّ [۱]" اگر حاملہ نہ ہو اور تفریق کا سبب خاوند کی وفات ہو تو اس صورت میں عدّت چار ماہ دس دن ہوگی چاہے قبل از دخول وفات ہوئی ہو یا بعد از دخول اور چاہے عورت حائضہ ہو یا غیر حائضہ ۔جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے " والذین یتوفّون منکم ویذرون ازواجًا یتربّصن بانفسهن اربعة اشهرٍ وعشرًا [۲]" اور اگر تفریق کا سبب طلاق ہو اور دخول سے قبل ہو تو اس پر کوئی عدّت نہیں ارشاد خداوندی کی رو سے " اذا نکحتم المؤمنات ثمّ طلقتموهن من قبل ان تمسّوهنّ فما لکم علیهنّ من عدّةٍ تعتدّونها [۳]" اور اگر تفریق بذریعہ طلاق بعد از دخول ہو اور عورت کو (کم عمری یا بیماری کے سبب) کبھی حیض نہ آیا ہو یا عمر کی زیادتی کی بنا پر حیض آنا بند ہو چکا ہو تو اس کی عدّت تین ماہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے " والّائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدّتهنّ ثلثة اشهرٍ والّائی لم یحضن [۴]" اور اگر حائضہ عورت کی تفریق بذریعہ طلاق بعد از دخول ہو تو اس کی عدّت تین " قروء " ہے جو اس آیت میں مذکور ہے ۔ والمطلّقات یتربّصن بانفسهنّ ثلثة قروءٍ [۵]"

فقہی مسائل و مباحث میں بغوی کے اسلوب کا یہ اجمالی جائزہ ہے ۔چونکہ آپ کا فقہی ذخیرہ تا ہنوز غیر مطبوع اور اہل علم و محققین کی خصوصی توجہ و عنایت کا طالب ہے اس لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس قیمتی علمی ذخیرہ کو بعد از تحقیق و تدوین طبع کر کے منظر عام پر لایا جائے انشاء اللہ یہ کاوش ایک اہم علمی و دینی بالخصوص فقہ کی عظیم خدمت ہونے کے ساتھ ساتھ امام موصوف کی مجتہدانہ بصیرت اور فقہی مہارت کو مزید اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوگی ۔

تمّت بالخیر

تعلیقات وحواشی

۱۔ دیکھیے۔ ابن خلکان: "وفیات الاعیان" (بیروت، دارصادر، ۱۹۷۸ء) ص ۱۳۶، ذہبی: "تذکرۃ الحفاظ" (بیروت، دارالفکر العربی، ط ۳، س۔ن) ج ۴ ص ۱۲۵۷، سبکی: طبقات الشافعیہ الکبریٰ" (بیروت۔ دارالمعرفۃ۔ س۔ن) ج ۴ ص ۲۱۵۔ بغوی کے نام میں کسی تذکرہ نگار نے اختلاف نہیں کیا البتہ زرکلی نے "الاعلام" ج ۲ ص ۲۸۴ میں "طبقات الحفاظ" للسیوطی کے حوالے سے بغوی کا نام حسین بن محمد بن مسعود نقل کیا ہے اور یہ خلاف حقیقت ہے کیونکہ طبقات الحفاظ میں سیوطی نے بغوی کا وہی نام نقل کیا ہے جس پر سب تذکرہ نگار متفق ہیں۔

۲۔ مثلاً دیکھیے: طاش کبری زادہ: "مفتاح السّعادۃ" (القاہرۃ۔ دارالکتب الحدیثۃ، س۔ن) ج ۲ ص ۱۰۲، ملا علی القاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ (ملتان۔ مکتبۃ امدادیہ، س۔ن) ج ۱ ص ۱۰۔

۳۔ السّمعانی: "کتاب الانساب" (بغداد۔ مکتبۃ المثنیٰ۔ س۔ن) ص ۴۲۰

۴۔ ذہبی: "سیر أعلام النبلاء" (بیروت، مؤسّسۃ الرّسالۃ، ط ۱، ۱۴۰۰ھ) ج ۱۹ ص ۴۳۹

۵۔ یاقوت: "معجم البلدان" (بیروت، دارالکتاب العربی، س۔ن) ج ۱ ص ۴۶۸

۶۔ دیکھیے: "کتاب الانساب" ص ۸۶، معجم البلدان ج ۱ ص ۴۸

۷۔ دیکھیے: "کتاب الانساب" ص ۸۶۔۸۷، معجم البلدان ج ۱ ص ۴۶۷۔۶۸

۸۔ دیکھیے بغوی: شرح السنۃ تحقیق شعیب الارنؤط و محمد زہیر الشاویش (بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۰ھ) ج ۱ ص ۲۰

۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ راقم کا مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی بعنوان امام بغوی کی خدمات تفسیر و حدیث۔ تحقیقی جائزہ (پنجاب یونیورسٹی۔ ۱۹۹۱ء) ص ۷۱۔۷۲۔

۱۰؎ "معجم البلدان" ج ۱ ص ۴۶۸

۱۱؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵

۱۲؎ تفصیل کے لیے دیکھئے مقالہ مذکور ص ۶۸ - ۱۲۰

۱۳؎ دیکھئے "کتاب الانساب" ص ۸۶ - ۸۷ ؛ "معجم البلدان" ج ۱ ص ۴۶۷ - ۶۸

۱۴؎ دیکھئے - بغوی: "مصابیح السنّۃ" (لاہور، المکتبۃ الاثریۃ، ۱۹۸۰ء) مقدمہ التحقیق ج ۱ ص ۳۰

۱۵؎ سیر اعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۴۴۰

۱۶؎ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۴ ص ۲۱۵

۱۷؎ ابن تغری بردی: "النجوم الزاہرۃ فی ملوک المصر والقاہرۃ" (القاہرۃ، دار الکتب المصریۃ، ۱۳۴۸ھ) ج ۵ ص ۱۲۴

۱۸؎ "معجم البلدان" ج ۱ ص ۴۶۸

۱۹؎ تفصیل کے لیے دیکھئے "معجم البلدان" ج ۵ ص ۱۱۲

۲۰؎ "کتاب الانساب" ص ۵۲۳

۲۱؎ یاقوت الحموی: "معجم الادباء" بیروت، دار احیاء التراث، ۱۹۲۲ء ج ۳ ص ۲۲۴ - ۲۶

۲۲؎ "وفیات الاعیان" ج ۲ ص ۱۳۴ - ۳۵

۲۳؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۳ ص ۲۲۵ - ۲۶

۲۴؎ ایضاً - ج ۳ ص ۲۲۸

۲۵؎ ذہبی: "العبر فی خبر من غبر" (بیروت - دار الکتب - س - ن) ج ۲ ص ۳۱۹

۲۶؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۷

۲۷؎ ایضاً ج ۴ ص ۸

۲۸؎ ایضاً ص ۲۱۵

۲۹؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۷۳

۳۰؎ حالات کے لیے دیکھئے مثلاً "معجم البلدان" ج ۱ ص ۴۶۸

۳۱؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۴۵

۳۲؎ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۔ ص ۲۴۶ - ۴۷
۳۳؎ ایضاً ص ۲۸۶
۳۴؎ ایضاً ج ۵ ص ۱۴۶
۳۵؎ "وفیات الاعیان" ج ۴ ص ۲۳۸
۳۶؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۴ ص ۶۷ - ۶۸
۳۷؎ یافعی : "مراۃ الجنان" (بیروت، مؤسستہ الاعلمی للمطبوعات، ۱۹۱۶) ج ۳، ص ۲۱۳
۳۸؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۳۱۱
۳۹؎ "وفیات الاعیان" ج ۲ ص ۱۳۶
۴۰؎ "النجوم الزاھرۃ" ج ۵ ص ۲۲۳
۴۱؎ دیکھیے ۔ مثلاً ۔ "تذکرۃ الحفاظ" ج ۴ ص ۱۲۵۸؛ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵:
سیوطی : طبقات المفسّرین ص ۳۹
۴۲؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۵ ص ۱۴۶
۴۳؎ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ مذکور ص ۸۵ - ۸۶
۴۴؎ "تذکرۃ الحفاظ" ج ۴ ص ۱۲۵۸
۴۵؎ "سیر اعلام النبلاء" ج ۱۹ ص ۱۴۴
۴۶؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۴ - ۱۵
۴۷؎ "وفیات الأعیان" ج ۲ ص ۱۳۷
۴۸؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵
۴۹؎ "معجم البلدان" ج ۱ ص ۶۸۴
۵۰؎ ابوالفداء : "المختصر فی تاریخ البشر-تاریخ ابی الفداء" بیروت، دارالمعرفۃ، س۔ن) ج ۲ ص ۲۹۹
۵۱؎ "تذکرۃ الحفاظ" ج ۴ ص ۱۲۵۷
۵۲؎ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۴
۵۳؎ ابن کثیر : "البدایۃ والنہایۃ" (لاہور، المکتبۃ القدوسیہ، ۱۹۸۴ء) ج ۱۲ ص ۱۹۳

۵۴؎ سیوطی: "طبقات المفسرین" ص ۳۹

۵۵؎ ابن ہدایۃ اللہ: "طبقات الشافعیہ" (بیروت، دارالآفاق الجدیدۃ، ۱۹۸۲ء) ص ۲۰۱

۵۶؎ "سیر اعلام النبلا" ج ۱۹ ص ۴۴۱

۵۷؎ حاجی خلیفہ: "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" (بیروت، مکتبۃ المثنیٰ، س۔ن)

ج ۲ ع ۱۴۹۹

۵۸؎ "مرقاۃ المفاتیح" ج ۱ ص ۱۰

۵۹؎ دیکھیے۔ بغوی: "معالم التنزیل" (ملتان، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، مصورۃ از طبعۃ دار المعرفۃ

بیروت، ۱۴۰۶ھ) ج ۱ ص ۳

۶۰؎ "سیر اعلام النبلاء" ج ۱۹ ص ۴۳۹

۶۱؎ "کشف الظنون" ج ۱ ص ۱۹۵

۶۲؎ الکتانی: الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ (کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت

کتب، ۱۹۶۰ء) ص ۸۸

۶۳؎ بروکلمان، کارل "تاریخ الادب العربی" (عربی ترجمہ) (القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۷۷ء)

ج ۶ ص ۲۴۵

۶۴؎ "بروکلمان" ج ۶ ص ۲۳۵

۶۵؎ بغدادی: "ہدیۃ العارفین" (بغداد، مکتبۃ المثنیٰ، ۱۹۵۱ء) ج ۱ ص ۳۱۲

۶۶؎ دیکھیے "تذکرۃ الحفاظ"، ج ۴ ص ۱۲۵۷؛ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵؛ "وفیات الاعیان"

ج ۲ ص ۱۳۶

۶۷؎ شوقی ضیف: "عصر الدول والامارات" (القاہرۃ، دار المعارف، س۔ن) ص ۵۵۱

۶۸؎ عبداللہ بن احمد بن عبداللہ ابوبکر القفال۔ آپ کو قفل اور چابیاں بنانے میں مہارت حاصل تھی۔ تیس سال عمر میں تحصیل علم کا شوق ہوا تو شیخ ابو زید وغیرہ کے درس میں حاضری دینے لگے۔ بالخصوص فقہ میں مہارت حاصل کی اور اپنے وقت کے امام بن گئے۔ ان کے شاگردوں میں سے مشہور قاضی حسین بن محمد اور شیخ ابو محمد الجوینی والد امام الحرمین تھے۔ جن کا شمار فقہ شافعی کے ائمہ میں ہوتا ہے ان کی

تصنیفات و تالیفات نے فقہ شافعی کی نشر و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔
تفصیل کے لیے دیکھئے۔ وفیات الأعیان ج ۳ ص ۴۶ ؛ شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۰۸

۶۹ "وفیات الاعیان" ج ۲ ص ۱۲۹

۷۰ "البدایۃ والنہایۃ" ج ۱۲ ص ۱۲۴-۲۵

۷۱ "طبقات الشافعیہ" ج ۳ ص ۲۴۹-۸۳

۷۲ "مرأۃ الجنان" ج ۳ ص ۱۷۷-۹۲

۷۳ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۴

۷۴ "وفیات الاعیان" ج ۲ ص ۱۳۴-۳۵

۷۵ "طبقات الشافعیہ" ج ۴ ص ۲۱۵

۷۶ ایضاً

۷۷ "مرقاۃ المفاتیح" ج ۱ ص ۱۰

۷۸ "تذکرہ الحفاظ" ج ۴ ص ۱۲۵۷

۷۹ "طبقات المفسرین" ص ۳۹

۸۰ "کشف الظنون" ج ۱ ص ۳۹۷

۸۱ ایضاً ج ۱ ص ۵۱۷

۸۲ دیکھئے "بروکلمان" ج ۶ ص ۲۴۳

۸۳ "کشف الظنون" ج ۱ ص ۵۱۷

۸۴ ایضاً

۸۵ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵

۸۶ "بروکلمان" ج ۶ ص ۲۴۶

۸۷ "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ج ۴ ص ۲۱۵

۸۸ "بروکلمان" ج ۶ ص ۲۴۶

۸۹ دیکھئے۔ فہرست مخطوطات المکتبۃ الظاہریۃ۔ الفقہ الشافعی ص ۲۰۱

۹۰ "کشف الظنون" ج ۲ ص ۱۴۹۹

۹۱؎ دیکھئے "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۱۵۰، ج ۲ ص ۲۶۶۔ نیز "شرح السنۃ" ج ۴ ص ۱۹۵-۹۶

۹۲؎ مثلاً دیکھئے "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۶۰ - ۶۱

۹۳؎ البقرۃ : ۱۸۵

۹۴؎ "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۱۵۲

۹۵؎ "شرح السنۃ" ج ۲ ص ۶۳ - ۶۴

۹۶؎ ایضاً ج ۲ ص ۵۹ - ۶۰

۹۷؎ الفرقان : ۴۸

۹۸؎ الانفال : ۱۱

۹۹؎ "شرح السنۃ" ج ۲ ص ۶۴ - ۶۵

۱۰۰؎ ایضاً ج ۳ ص ۲۴

۱۰۱؎ البقرۃ : ۲۲۸

۱۰۲؎ "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۲۰۳ - ۲۰۴

۱۰۳؎ دیکھئے "شرح السنۃ" ج ۴ ص ۳۸۳

۱۰۴؎ دیکھئے شرح السنۃ" حدیث ابن عباسؓ ج ۴ ص ۳۷۸ وحدیث عائشۃ ص ۳۸۲

۱۰۵؎ "شرح السنۃ" ج ۴ ص ۳۸۲ - ۸۳

۱۰۶؎ النساء : ۳۴

۱۰۷؎ "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۴۳۳

۱۰۸؎ المائدہ : ۳۴

۱۰۹؎ "معالم التنزیل" ج ۲ ص ۳۵

۱۱۰؎ البقرۃ : ۲۲۸

۱۱۱؎ الطلاق : ۴

۱۱۲؎ البقرۃ : ۲۳۴

۱۱۳؎ الاحزاب : ۴۹

۱۱۴؎ الطلاق : ۴ ۱۱۵؎ البقرۃ : ۲۲۸ دیکھئے "معالم التنزیل" ج ۱ ص ۲۰۴